خطبہ نمبر

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

سوموار 28 فروری 2022ء | 26 رجب 1443 ہجری قمری | 28 تبلیغ 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:50

فرمانِ رسول ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ جتنا کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی زیادہ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔ جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

(مسلم، کتاب البر والصلۃ باب استحباب العفو والتواضع)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحاتِ قلم

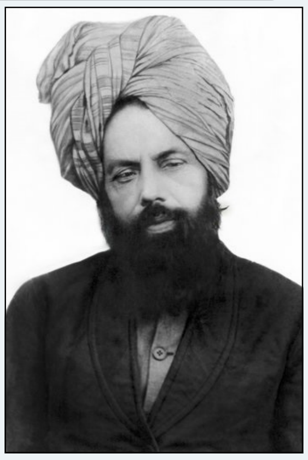

جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض

’’اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے، تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بے جا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصے کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔

ہر ایک جماعت کی اصلاح اول اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہئے کہ ابتداء میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے اس کے لئے درد دل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے۔ اور دل میں کینے کو ہرگز نہ بڑھاوے جیسے دنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے، جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہ ہو گی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں، خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔ لیکن افسوس ہے کہ جماعت کا ایک حصہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے۔ ان باتوں سے صرف شماتت اعداء ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ خود بھی قرب کے مقام سے گرائے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل:85) بعض آدمی ایک قسم کے اخلاق میں اگر عمدہ ہیں تو دوسری قسم میں کمزور، اگر ایک خلق کا رنگ اچھا ہے تو دوسرے کا برا، لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاح ناممکن ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 99-100 ایڈیشن 1988ء)

ارشادِ باری تعالیٰ

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۵﴾

(آل عمران:135)

ترجمہ: (یعنی) وہ لوگ جو آسائش میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی اور غصہ دبا جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

فرمانِ خلیفۂ وقت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’معاشرے میں جب برائیوں کا احساس مٹ جائے تو ایسے معاشرے میں رہنے والا ہر شخص کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہوتا ہے اور اپنے نفس کے بارے میں، اپنے حقوق کے بارے میں زیادہ حساس ہوتا ہے اور دوسرے کی غلطی کو ذرا بھی معاف نہیں کرنا چاہتا، چنانچہ دیکھ لیں، آج کل کے معاشرے میں کسی سے ذرا سی غلطی سرزد ہو جائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے چاہے اپنے کسی قریبی عزیز سے ہی ہو اور بعض لوگ کبھی بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور اسی وجہ سے پھر خاوند بیوی کے جھگڑے، بہن بھائیوں کے جھگڑے، ہمسایوں کے جھگڑے، کاروبار میں حصہ داروں کے جھگڑے، زمینداروں کے جھگڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ راہ چلتے نہ جان نہ پہچان ذرا سی بات پہ جھگڑا شروع ہو جاتا ہے مثلاً ایک راہ گیر کا کندھا کسی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ٹکرا گیا، کسی پر پاؤں پڑ گیا تو فوراً دوسرا آنکھیں سرخ کرکے کوئی نہ کوئی سخت بات اس سے کہہ دیتا ہے پھر دوسرا بھی کیونکہ اسی معاشرے کی پیداوار ہے، اس میں بھی برداشت نہیں ہے، وہ بھی اسی طرح کے الفاظ الٹا اس کو جواب دیتا ہے۔ اور بعض دفعہ پھر بات بڑھتے بڑھتے سر پھٹول اور خون خرابہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بچے کھیلتے کھیلتے لڑ پڑیں تو بڑے بھی بلاوجہ بیچ میں کود پڑتے ہیں اور پھر وہ حشر ایک دوسرے کا ہو رہا ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ اور اس معاشرے کی بےصبری اور معاف نہ کرنے کا اثر غیر محسوس طریق پر بچوں پر بھی ہوتا ہے، گزشتہ دنوں کسی کالم نویس نے ایک کالم میں لکھا تھا کہ ایک باپ نے یعنی اس کے دوست نے اپنے ہتھیار صرف اس لئے بیچ دیئے کہ محلے میں بچوں کی لڑائی میں اس کا دس گیارہ سال کا بچہ اپنے ہم عمر سے لڑائی کر رہا تھا کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کروا دیا۔ اس کے بعد وہ بچہ گھر آیا اور اپنے باپ کا ریوالور یا کوئی ہتھیار لے کے اپنے دوسرے ہم عمر کو قتل کرنے کے لئے باہر نکلا۔ اس نے لکھا ہے کہ شکر ہے پستول نہیں چلا، جان بچ گئی۔ لیکن یہ ماحول اور لوگوں کے رویے معاشرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اور معاشرے کی یہ کیفیت ہے اس وقت کہ بالکل برداشت نہیں معاف کرنے کی بالکل عادت نہیں، اور یہ واقعہ جو میں نے بیان کیا ہے پاکستان کا ہے لیکن یہاں یورپ میں بھی ایسے ملتے جلتے بہت سے واقعات ہیں جن کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض دفعہ اخباروں میں آ جاتا ہے۔ تو جب اس قسم کے حالات ہوں تو سوچیں کہ ایک احمدی کی ذمہ داری کس حد تک بڑھ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو، اپنی نسلوں کو اس بگڑتے ہوئے معاشرے سے بچانے کے لئے بہت کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 20 فروری 2004ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- دربارِ خلافت
- سرائے خام (منظوم)
- خلاصہ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
- خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

دربارِ خلافت

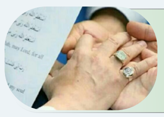

جب اگلے سال میں قادیان گیا تو وہی حلیہ خواب میں مسیحؑ کا اور خلیفہ اولؓ کا پایا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حضرت خانزادہ امیر اللہ خان صاحبؓ جن کی بیعت بذریعہ خط 1904ء کی اور زیارت 1905ء یا 1906ء کی تھی، کہتے ہیں خواب کی باتیں حضرت مسیح موعودؑ سے جبکہ میں قادیان میں گیا نہ تھا، (کیا باتیں تھی) دن کے وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم تین احمدی ہیں۔ یہ عاجز، امیر اللہ احمدی اور بابو عالمگیر خان مرحوم، غیر مبائع دلاور خان (میرا خیال ہے غیر مبائع دلاور خان ہوں گے) جنوب کی قطار میں کھڑے ہیں۔ ہمارے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفہ اوّل نور الدین علیہ الرحمۃ رُو بہ شمال کھڑے ہیں۔ مسیح علیہ السلام نے ہاتھ بڑھا کر میرے سینے کی طرف انگلی کر کے خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ ’’یہ جنتی ہے‘‘۔ پھر دوسرے احمدی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے ’’یہ بھی‘‘۔ تیسرے کی نسبت کچھ نہ کہا۔ چونکہ مسیح موعود کی طرف مَیں ٹکٹکی لگائے ہوئے تھا مَیں تمیز نہ کر سکا کہ ہر دو احمدیوں میں سے مسیح موعود کا اشارہ کس کو تھا۔ اس کے بعد نظارہ اچانک بدل گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ہم چار احمدی ایک یہ راقم اور مولوی عطاء اللہ مرحوم، عالمگیر خان، غیر مبائع دلاور خان اکٹھے بیٹھے ہیں، جس طرح روٹی کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں۔ ہم آپس میں کہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں باز ہوں، کوئی کہتا ہوں میں کاؤس ہوں، ایک کہتا ہے میں کبوتر ہوں، دوسرا کہتا ہے میں چکور ہوں۔ اتنے میں خلیفہ اول تشریف لائے۔ فرمایا تم اس کے لئے نہیں پیدا ہوئے کہ میں باز ہوں، کاؤس ہوں، کبوتر ہوں، چکور ہوں، کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تیسرے کلمہ پڑھنے پر (دو تین دفعہ کلمہ پڑھا) بیدار ہوا خواب سے۔ ظہر کا وقت تھا، ایک بالشت بھر سایہ دیوار کا تھا۔ جب اگلے سال میں قادیان گیا تو وہی حلیہ خواب میں مسیح کا اور خلیفہ اول کا پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

دوسرا خواب کہتے ہیں کہ قادیان میں خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں بائیس دن زیرِ علاج خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکیم الامت، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور دو اور احمدی ڈاکٹروں سے میری تشخیص کروائی۔ (یہ ان کا علاج کر رہے تھے) اُنہوں نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ میں خوش ہوا۔ رات کو مہمان خانے کے کمرے میں مسیح موعود علیہ السلام میرے سرہانے کھڑے فرما رہے تھے (رات کو خواب دیکھی) کہ آپریشن نہیں طاعون ہے اور تعبیر بھی مجھے سمجھایا گیا کہ طاعون بمعنی موت ہے۔ میں نے صبح خلیفہ اوّل کو خواب کا ذکر کیا۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ مسیح موعود درست فرماتے ہیں۔ آپریشن نہیں چاہئے۔

تیسری خواب بھی ایک بیان فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں اپنے گھر میں خواب میں دیکھا کہ میں نے دوسرے روز جلسہ سالانہ پر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ حامد علی کا بھی خیال رکھنا۔ چنانچہ میں نے جلسہ سالانہ قادیان پر جا کر ایک روپیہ حامد علی صاحب خادم مسیح موعود علیہ السلام کو دیا۔ (یہ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد کا ذکر ہے) کہتے ہیں میں نے حامد علی صاحب خادم مسیح موعود کو لکھا کہ رؤیا میں مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ حامد علی کا بھی خیال رکھنا۔ پس یہ ایک روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حامد علی صاحب روئے۔ (اس بات کو سن کر وہ روئے۔) کہنے لگے کہ انبیاء کیسے رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ اپنے خادم کا بھی اُنہیں فکر ہے۔ پھر اپنے

بقیہ صفحہ 8 پر

سرائے خام

(کلام حضرت مسیح موعودؑ)

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں

زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں
ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں

جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں
کیا کیا نہ ان کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں

پر ان کو اس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں
آنکھیں نہیں ہیں، کان نہیں، دل میں ڈر نہیں

ان کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد
کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد

پر تب بھی مانتے ہیں اسی کو بہر سبب
کیا حال کر دیا ہے تعصب نے ہے غضب

دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی
ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی

اے غافلاں! وفا نہ کند ایں سرائے خام
دنیائے دوں نماند و نماند بکس مدام

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 137-138)

آج کی دعا

رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۵۱﴾

(البقرہ:251)

ترجمہ: اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر نازل کر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر۔

یہ قرآن مجید کی ثبات قدم اور کفار کے بالمقابل مدد اور نصرت الٰہی کے دئے جانے کی دعا ہے۔

ہمارے پیارے قابل صد احترام آقا سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد بار احباب جماعت کو اس دعا کی تحریک فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اِس وقت مَیں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ جوں جوں جماعت ترقی کی منازل طے کر رہی ہے، حاسدوں کی اور مفسدین کی سرگرمیاں بھی تیز ہوتی چلی جا رہی ہیں اور وہ مختلف طریقوں سے جماعت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ بعض دفعہ چھپ کر حملے کرتے ہیں، بعض دفعہ ظاہری حملے کرتے ہیں، بعض دفعہ ہمدرد بن کر وار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے ہر احمدی کو دشمن کے ہر قسم کے شر سے بچنے کے لئے بہت دعائیں کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔ اور اس طرح باقی دعائیں بھی۔ ثبات قدم کی دعا (مندرجہ بالا دعا)

(خطبہ جمعہ 12/ اکتوبر 2012ء)

مرسلہ: مریم رحمٰن

خلاصہ خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 25؍ فروری 2022ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

آنحضرت ﷺ کے عظیم المرتبت خلیفۂ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ

☆... حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اس امّت پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا شکر نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ تمام صحابہ کو مسجد نبوی میں اکٹھا کر کے یہ آیت نہ سناتے کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں تو یہ امّت ہلاک ہو جاتی

☆... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے قیام کے حوالے سے حضرت ابو بکرؓ کی ثقیفہ بنی سعدہ میں پُر اثر تقریر

☆... دنیا کے موجودہ خطرناک حالات کے متعلق دعا کی تحریک

محترم خوشی محمد شاکر صاحب سابق مبلغ سیرالیون و گنی کناکری کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ غائب

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 25؍ فروری 2022ء کو مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ، یو کے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو مسلم ٹیلی وژن احمدیہ کے توسّط سے پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ جمعہ کی اذان دینے کی سعادت صہیب احمد صاحب کے حصے میں آئی۔ تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ذکر ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے جمعرات یا ہفتے کے دن جبکہ ذیقعدہ کے چھ دن باقی تھے روانہ ہوئے۔ اس موقعے پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک اونٹ ہے ہم اس پر اپنا زادِ راہ لاد لیتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا ایسا ہی کرلو۔ راستے میں حضرت ابو بکرؓ کے غلام سے وہ اونٹ کہیں گم ہوگیا تو آپؓ اس غلام کو مارنے کے لیے اٹھے مگر حضور ﷺ نے محض تبسّم کرتے ہوئے فرمایا کہ اس محرم کو دیکھو یہ کیا کرنے لگا ہے۔ صحابہ کو جب آنحضورؐ کا زادِ راہ گم ہونے کا عِلم ہوا تو وہ آٹے، کھجور اور مکھن سے تیار کردہ ایک عمدہ حلوہ 'حیس' لے کر آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو غلام پر غصّہ کرنے سے روکا اور فرمایا کہ اے ابو بکر! نرمی اختیار کرو۔ بعد میں حضرت صفوان بن معطلؓ جو قافلے کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے جب پہنچے تو وہ اونٹ ان کے ساتھ تھا۔

حجۃ الوداع کے سفر میں ہی ذوالحلیفہ مقام پر حضرت ابو بکرؓ کے ہاں آپؓ کی اہلیہ اسماء بنت عمیسؓ کے بطن سے محمد بن ابو بکر کی پیدائش ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسماء غسل کرلیں اور حج کا احرام باندھ لیں اور بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حاجیوں کی طرح باقی سب کام کریں۔ جب آپؐ وادی عسفان سے گزرے تو حضرت ابو بکرؓ سے حضرت ہود اور حضرت صالح کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سے وہ دونوں تلبیہ کہتے ہوئے بیت العتیق کے حج کے لیے گزرے تھے۔

حجۃ الوداع کے موقعے پر جن لوگوں کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اُن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامل تھے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی آخری بیماری میں فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سوچ کر کہ حضرت ابو بکرؓ حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہوئے تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پائیں گے حضرت حفصہؓ سے کہہ دیا کہ وہ حضرت عمرؓ سے نماز کی امامت کا کہہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا ابو بکر سے کہو وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ان ہی ایّام میں حضور ﷺ نے اپنی بیماری میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹے لیکن حضور ﷺ نے اشارے سے منع فرمایا اور پھر حضرت ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے اور لوگ حضرت ابو بکرؓ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے۔

صحیح بخاری میں مرقوم روایت کے مطابق جس روز حضور ﷺ کا وصال ہوا آپؐ نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور نمازیوں کو دیکھ کر تبسّم فرمایا حضرت ابو بکرؓ یہ سمجھے کہ حضور ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لارہے ہیں۔ چنانچہ آپؓ پیچھے ہٹنے لگے مگر حضور ﷺ نے انہیں اشارے سے منع کیا اور پردہ ڈال دیا۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ابو بکرؓ مدینے کے مضافات میں ایک گاؤں سنح میں تھے۔ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آگئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور آپؐ کو بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپؐ زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی پاک و صاف ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ آپؐ کو کبھی دو موتیں نہیں چکھائے گا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ باہر تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے قسم کھانے والے! ٹھہر جا۔ پھر آپؓ نے حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا دیکھو جو محمد ﷺ کو پوجتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ تو یقیناً فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کو پوجتا تھا اسے یاد رہے کہ اللہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد آپؓ نے یہ آیت پڑھی کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ اور یہ آیت بھی پڑھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ... الخ یعنی محمد ﷺ تو صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ کیا اگر آپ فوت ہوجائیں یا قتل کیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بَل پھر جاؤ گے؟... یہ سن کر لوگ اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے یہ آیت حضرت ابو بکر سے سیکھی ہے۔ پھر لوگوں میں سے جس آدمی کو مَیں نے دیکھا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے مذکورہ بالا دونوں آیات پڑھیں تو صحابہؓ پر حقیقت آشکار ہوئی اور وہ بے اختیار رونے لگے۔ حضرت عمرؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ گویا یہ دونوں آیات آج ہی نازل ہوئی ہیں اور میرے گھٹنوں میں میرے سر کو اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ میرے قدم لڑکھڑائے اور مَیں شدّتِ صدمہ سے زمین پر گِر پڑا۔

اسی حوالے سے مسلمانوں کا جو پہلا اجماع ہے اس کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی اجماع صحابہ کا ہے کیونکہ اس وقت سارے صحابہ موجود تھے اور درحقیقت ایسا وقت مسلمانوں پر پہلے کبھی نہیں آیا کیونکہ پھر کبھی مسلمان اس طرح جمع نہیں ہوئے۔ اس اجتماع میں جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی تو سارے کے سارے صحابہ نے آپ سے اتفاق کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اس امّت پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا شکر نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ تمام صحابہ کو مسجد نبوی میں اکٹھا کر کے یہ آیت نہ سناتے کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں تو یہ امّت ہلاک ہوجاتی کیونکہ ایسی صورت میں اس زمانے کے مفسد علماء یہی کہتے کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں مگر اب صدیق اکبر کی آیتِ ممدوحہ پیش کرنے سے اس بات پر کُل صحابہ کا اجماع ہو چکا کہ کُل گذشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے متعلق ذکر آتا ہے کہ صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا علم ہوگیا تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو خلافت کے لیے موزوں قرار دیا۔ اس سوال پر کہ اگر مہاجرین نے ان کی بیعت نہ کی تو کیا ہوگا یہ تجویز سامنے آئی کہ ایک آدمی انصار میں سے اور ایک آدمی مہاجرین میں سے خلیفہ ہو۔ مگر حضرت سعد بن عبادہؓ نے اسے بنو اوس کی کمزوری قرار دیا۔

جس وقت انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے وصال کے سانحۂ عظیم کے بارے میں ذکر کر رہے تھے جبکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے اہلِ بیت رسول کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔

جب مہاجر صحابہ کو انصار کے اس اجتماع کی اطلاع پہنچی تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ وہاں ابھی بحث جاری تھی۔ اس موقعے پر حضرت ابو بکرؓ نے نہایت پُر اثر فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ جس میں آپؓ نے عربوں کی گذشتہ حالت اور اوّلین مہاجرین کی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کا احوال بیان کیا۔ پھر انصار کے قبولِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے مددگار بننے کا بڑا دلنشیں تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد انصار کو مخاطب کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا کہ مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارے مرتبے کا کوئی بھی نہیں۔ امیر ہم میں ہوں گے اور تم وزیر۔ ہر اہم معاملے میں تم سے مشورہ لیا جائے گا اور تمہارے بغیر اہم معاملات کے متعلق فیصلہ نہیں کریں گے۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں تو مَیں انصار کی وادی میں چلوں گا۔ پھر آپؓ نے حضرت سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سعد! تجھے علم ہے کہ تُو بیٹھا ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلافت کے حق دار قریش ہوں گے۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہم وزیر ہیں اور آپ لوگ امراء ہیں۔

یہ ذکر آئندہ جاری رہنے کا ارشاد فرمانے کے بعد حضورِ انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دنیا کے موجودہ خطرناک حالات کے متعلق دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ اسی طرح بڑھتا رہا تو صرف ایک ملک نہیں بلکہ بہت سے ممالک اس میں شامل ہوجائیں گے اور پھر اس کا اثر نسلوں تک رہے گا۔ خدا کرے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو پہچاننے والے ہوں اور اپنی دنیاوی خواہشات کی تسکین کے لیے انسانی جانوں سے نہ کھیلیں۔ ان دنوں میں احمدیوں کو بہت دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جنگ کی ناقابلِ تصور تباہ کاریوں سے انسانیت کو بچاکے رکھے۔ آمین

خطبے کے آخر میں حضورِ انور نے مکرم خوشی محمد شاکر صاحب سابق مبلغ سیرالیون اور گنی کناکری کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ غائب پڑھانے کا اعلان فرمایا۔ مرحوم گذشتہ دنوں انہتر برس کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نہایت نیک، سادہ مزاج، دعاگو، عبادت گزار، مخلص، بے لوث، غریب پرور، سخی اور خلافت سے والہانہ عشق رکھنے والے پُرجوش داعی الیٰ اللہ تھے۔

حضورِ انور نے مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا کی۔

☆...☆...☆

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل)

خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 04؍ فروری 2022ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

ابنِ ابی قحافہ کی مثال فرشتوں میں میکائیل کی مانند ہے (الحدیث)

آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے عظیم المرتبت خلیفہ ٔ راشد صدیقِ اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات اور مناقبِ عالیہ

غزوہ بنو قریظہ، صلح حدیبیہ، سریہ ابوبکر بطرف بنوفزارہ، سریہ ابوبکر بطرف نجد اور غزوۂ فتح مکہ کا تذکرہ

دیکھو عمر! سنبھل کر رہو، رسولِ خدا کی رکاب پر جو ہاتھ تم نے رکھا ہے اسے ڈھیلا نہ ہونے دینا

کیونکہ خدا کی قسم! یہ شخص جس کے ہاتھ میں ہم نے اپنا ہاتھ دیا ہے بہرحال سچا ہے (صدیقِ اکبرؓ)

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۬ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

آج کل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہو رہا ہے اور بعض غزوات کا بھی ذکر ہوا تھا۔

غزوۂ بنو قریظہ ایک غزوہ تھا۔ واقدی نے غزوۂ بنو قریظہ میں شامل افراد کے نام درج کیے ہیں جس کے مطابق قبیلہ بنو تیم میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ بھی غزوۂ بنو قریظہ میں شامل ہوئے تھے۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد دوم صفحہ ۴،غزوۃ بنی قریظۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۳ء)

عبد الرحمٰن بن غنمؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہؐ! لوگ اگر آپؐ کو دنیاوی زینت والے لباس میں دیکھیں گے تو ان میں اسلام قبول کرنے کی خواہش زیادہ ہو گی۔ پس آپؐ وہ حلّہ زیب تن فرمائیں جو حضرت سعد بن عبادہؓ نے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنیں تا کہ مشرکین آپؐ پر خوبصورت لباس دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں ایسا کروں گا۔ اللہ کی قسم!

اگر تم دونوں میرے لیے کسی ایک امر پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہارے مشورے کے خلاف نہیں کرتا

اور میرے رب نے میرے لیے تمہاری مثال ایسی ہی بیان کی ہے جیسا کہ اس نے ملائک میں سے جبرائیل اور میکائیل کی مثال بیان کی ہے۔ جہاں تک ابنِ خطاب ہیں تو ان کی مثال فرشتوں میں سے جبرائیل کی سی ہے۔ اللہ نے ہر امّت کو جبرائیل کے ذریعہ ہی ہلاک کیا ہے اور ان کی مثال انبیاء میں سے حضرت نوح کی سی ہے جب انہوں نے کہا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:27) اے میرے رب! کافروں میں سے کسی کو زمین پر بستا ہوا نہ رہنے دے۔ اور

ابنِ ابی قحافہ کی مثال فرشتوں میں میکائیل کی مانند ہے

یعنی حضرت ابوبکرؓ کی مثال۔ جب وہ مغفرت طلب کرتا ہے تو ان لوگوں کے لیے جو زمین میں ہیں اور انبیاء میں اس کی مثال حضرت ابراہیمؑ کی مانند ہے جب انہوں نے کہا فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ابراہیم: 37) پس جس نے میری پیروی کی تو وہ یقیناً مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تُو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم دونوں میرے لیے کسی ایک امر پر متفق ہو جاؤ تو میں مشورہ میں تم دونوں کے خلاف نہیں کروں گا۔ لیکن تم دونوں کی حالت مشورے میں کئی طرح کی ہے جیسے جبرائیل اور میکائیل اور نوح اور ابراہیم علیہ السلام کی مثال ہے۔

(کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۱۰ کتاب الفضائل، فضائل الصحابہ روایت نمبر ۳۶۱۳۲ دارالکتب العلمیۃ ۲۰۰۴ء)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

بنو قریظہ کا محاصرہ

کیا ہوا تھا تو اس حوالے سے ایک روایت میں مذکور ہے۔ عائشہ بنت سعد نے اپنے والد سے بیان کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ اے سعد! آگے بڑھو اور ان لوگوں پر تیر چلاؤ۔ میں اس حد تک آگے بڑھا کہ میرا تیر اُن تک پہنچ جائے اور میرے پاس پچاس سے زائد تیر تھے جو ہم نے چند لمحوں میں چلائے گویا ہمارے تیر ٹڈی دَل کی طرح تھے۔ پس وہ لوگ اندر گھس گئے اور ان میں سے کوئی بھی جھانک کر باہر نہ دیکھ رہا تھا۔ ہم اپنے تیروں کے متعلق ڈرنے لگے کہ کہیں وہ سارے ہی ختم نہ ہو جائیں۔ پس ہم ان میں سے بعض تیر چلاتے اور بعض کو اپنے پاس محفوظ رکھتے۔

حضرت کعب بن عَمْرو مَازِنیؓ بھی تیر چلانے والوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اس روز جتنے تیر میرے ترکش میں تھے وہ سارے چلائے یہاں تک کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو ہم نے ان لوگوں پر تیر چلانا بند کر دیے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تیر اندازی کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلح تھے اور گھڑ سوار آپؐ کے ارد گرد تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ آئے اور ہم نے رات گزاری۔ اور ہمارا کھانا وہ کھجوریں تھیں جو حضرت سعد بن عُبادہؓ نے بھیجی تھیں اور وہ کھجوریں کافی زیادہ تھیں۔ ہم نے رات ان کھجوروں میں سے کھاتے ہوئے گزاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھا گیا کہ وہ بھی کھجوریں کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ کھجور کیا ہی عمدہ کھانا ہے۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد دوم صفحہ ۶،غزوۃ بنی قریظۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۳ء)

حضرت سعد بن معاذؓ نے جب بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تُو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ساتھ کوئی اَور جنگ مقدر کر رکھی ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے تو مجھے وفات دے دے۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ان کا زخم کھل گیا حالانکہ آپؓ تندرست ہو چکے تھے اور اس زخم کا معمولی نشان باقی رہ گیا تھا اور وہ اپنے خیمے میں واپس آ گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے لگوایا تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مَیں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز کو حضرت ابوبکرؓ کے رونے کی آواز سے الگ پہچان رہی تھی جبکہ مَیں اپنے حجرے میں تھی۔ یعنی اس وقت جب حضرت سعدؓ کی نزع کی کیفیت طاری ہوئی، تو یہ دونوں رو رہے تھے۔ میں اپنے حجرے میں تھی اور وہ ایسے ہی تھے جیسے کہ اللہ عز و جل نے فرمایا ہے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:30) یعنی آپس میں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرنے والے ہیں۔

(ماخوذ از مسند احمد بن حنبل جلد ۸ صفحہ ۲۵۶ تا ۲۵۹ مسند عائشہ روایت ۲۵۶۱۰۔ عالم الکتب ۱۹۹۸ء)

صلح حدیبیہ

کے حوالے سے لکھا ہے جیسا کہ گذشتہ خطبات میں ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کی جمعیت کے ساتھ ذوالقعدہ چھ ہجری کے شروع میں پیر کے دن بوقت صبح مدینہ سے عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 749-750)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی تیاری کر لی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم تو محض عمرے کے لیے آئے ہیں ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف جائیں۔ اگر کوئی ہمیں بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کرے گا تو ہم اس سے لڑائی کریں گے۔

(ماخوذ از سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۵ صفحہ ۳۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۳ء)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش کی طرف سے باہم گفت وشنید کے لیے وفود کا سلسلہ شروع ہوا تو عُروَہ آپ کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگے۔ عروہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بتاؤ تو سہی اگر تم نے اپنی قوم کو بالکل نابود کر دیا تو کیا تم نے عربوں میں سے کسی عرب کی نسبت سنا ہے جس نے تم سے پہلے اپنے ہی لوگوں کو تباہ کر دیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہو یعنی قریش غالب ہوئے تو اللہ کی قَسم! میں تمہارے ساتھیوں کے چہروں کو دیکھ رہا ہوں جو اِدھر اُدھر سے اکٹھے ہو گئے ہیں وہ بھاگ جائیں گے اور تمہیں چھوڑ دیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے عُروہ بن مسعود سے نہایت سخت الفاظ میں کہا کہ جاؤ جاؤ جا کر اپنے بت لات کو چومتے پھرو یعنی اس کی پوجا کرو۔ اس پر عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوبکرؓ۔ عُروہ نے کہا دیکھو اس ذات کی قَسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک تمہیں بدلہ نہیں دیا تو میں اس کا تمہیں جواب دیتا۔ حضرت ابوبکرؓ کا احسان یہ تھا کہ ایک معاملے میں عُروہ پر دیت جب واجب ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے دس گابھن اونٹنیوں کے ساتھ اس کی مدد کی تھی۔ بہرحال عُروہ نے یہ کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں شروع کر دیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا معاہدہ ہو رہا تھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کہتے تھے کہ مَیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا کیا آپ سچ مچ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا تو پھر ہم اپنے دین سے متعلق ذلت آمیز شرطیں کیوں مانیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ وہ میری مدد کرے گا۔ یعنی اگر میں شرطیں مان رہا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں ہے۔ فرمایا کہ وہ میری مدد کرے گا۔ میں نے کہا یعنی حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نہیں کہتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا: بے شک میں نے کہا تھا اور کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ اسی سال پہنچیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ پہنچیں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے۔ میں نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر بیت اللہ ضرور پہنچو گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے یہ سن کر میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا۔ ابوبکرؓ! کیا حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ میں نے کہا ہم اپنے دین سے متعلق ذلت آمیز شرط کیوں قبول کریں؟ اس وقت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے مردِ خدا! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور رسول اپنے رب کی نافرمانی نہیں کیا کرتا اور اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تقریباً وہی الفاظ دہرائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے فرمودہ معاہدے کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اللہ کی قسم! آپؐ یقیناً حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے کہا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نہیں کہتے تھے کہ ہم ضرور بیت اللہ میں پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بیشک۔ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم اسی سال وہاں پہنچو گے؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس پر میں نے کہا نہیں۔ تو اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا پھر تم ضرور وہاں پہنچو گے اور اس کا طواف ضرور کرو گے۔ زُہری نے کہا کہ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ مَیں نے اس غلطی کی وجہ سے بطور کفارہ کئی نیک عمل کئے۔ (ماخوذ از صحیح بخاری کتاب الشروط بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ حدیث نمبر ۲۷۳۱-۲۷۳۲) (ماخوذ از عمدۃ القاری جلد ۱۴ صفحہ ۱۶ دار احیاء التراث العربی بیروت) یہ بخاری میں سے لیا گیا ہے۔

اسی صلح حدیبیہ کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپؐ کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ آپؐ نے اس کے سامنے اپنی وہی تقریر دوہرائی جو اس سے قبل آپؐ بُدَیل بن وَرْقَا کے سامنے فرما چکے تھے۔ عُروہ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے ساتھ متفق تھا مگر قریش کی سفارت کا حق ادا کرنے اور ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ شرائط محفوظ کرانے کی غرض سے کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپؐ نے اس جنگ میں اپنی قوم کو ملیا میٹ کر دیا تو کیا آپؐ نے عربوں میں کسی ایسے آدمی کا نام سنا ہے جس نے آپؐ سے پہلے ایسا ظلم ڈھایا ہو لیکن اگر بات دگرگوں ہوئی یعنی قریش کو غلبہ ہو گیا تو خدا کی قسم! مجھے آپؐ کے ارد گرد ایسے منہ نظر آ رہے ہیں کہ انہیں بھاگتے ہوئے دیر نہیں لگے گی اور یہ سب لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ جو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی بیٹھے تھے عروہ کے یہ الفاظ سن کر غصہ سے بھر گئے اور فرمانے لگے جاؤ جاؤ اور لات کو، یعنی اُن کا بت جو لات ہے، اس کو چومتے پھرو۔ کیا ہم خدا کے رسول کو چھوڑ جائیں گے؟ لات بت جو تھا وہ قبیلہ بنو ثقیف کا ایک مشہور بت تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ بت پرست ہو اور ہم لوگ خدا پرست ہیں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم تو بتوں کی خاطر صبر و ثبات دکھاؤ اور ہم خدا پر ایمان لاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ عروہ نے طیش میں آ کر پوچھا یہ کون شخص ہے جو اس طرح میری بات کاٹتا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ابوبکرؓ ہیں۔ ابوبکر کا نام سن کر عروہ کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو گئیں۔ کہنے لگا اے ابوبکرؓ! اگر میرے سر پر تمہارا ایک بھاری احسان نہ ہوتا۔ یہاں بھی یہی ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک دفعہ اس کا قرض ادا کر کے اس کی جان چھڑائی تھی۔ تو خدا کی قسم میں تمہیں اس وقت بتاتا کہ ایسی بات کا جو تم نے کہی ہے کس طرح جواب دیتے ہیں۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 756، 757)

بخاری کے ایک حوالے میں درج ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا معاہدہ ہو رہا تھا اور شرائط طے پا چکی تھیں۔ اس وقت حضرت ابوجَندل جو کہ سُہَیل بن عَمرو کے بیٹے تھے اپنی زنجیروں میں لڑکھڑاتے ہوئے آئے۔ سُہَیل بن عَمرو نے جو مکہ کی طرف سے بطور سفیر آئے تھے اس نے ان کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قریش کو واپس کر دیا۔

(ماخوذ از صحیح بخاری کتاب الشروط بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ حدیث نمبر ۲۷۳۱-۲۷۳۲)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی کچھ تفصیل بیان کی ہے اور اس میں اس واقعہ کا بھی ذکر ہے جو حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہوئے کیا تھا کہ اگر آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو پھر ہم یوں نیچے لگ کر بات کیوں کریں۔ بہرحال اس کی تفصیل یہ ہے یعنی ابوجندل کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اس پر حضرت عمرؓ نے یہ بات کی۔

’’مسلمان یہ نظارہ دیکھ رہے تھے‘‘ ابوجندل سے زیادتی کا ’’اور مذہبی غیرت سے ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے سہم کر خاموش تھے۔ آخر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا۔ کیا آپؐ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں ضرور ہوں۔ عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں ضرور ایسا ہی ہے۔ عمرؓ نے کہا تو پھر ہم اپنے سچے دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں؟ آپؐ نے حضرت عمرؓ کی حالت کو دیکھ کر مختصر الفاظ میں فرمایا۔ دیکھو عمر! میں خدا کا رسول ہوں اور میں خدا کی منشاء کو جانتا ہوں اور اس کے خلاف نہیں چل سکتا اور وہی میرا مددگار ہے مگر حضرت عمرؓ کی طبیعت کا تلاطم لحظہ بلحظہ بڑھ

رہا تھا۔ کہنے لگے کیا آپؐ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے ضرور کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ طواف ضرور اسی سال ہوگا؟ عمرؓ نے کہا نہیں ایسا تو نہیں کہا۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر انتظار کرو۔ تم ان شاءاللہ ضرور مکہ میں داخل ہوگے اور کعبہ کا طواف کروگے۔ مگر اس جوش کے عالم میں حضرت عمرؓ کی تسلی نہیں ہوئی لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص رعب تھا اس لئے حضرت عمرؓ وہاں سے ہٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ بھی اسی قسم کی جوش کی باتیں کیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسی قسم کے جواب دئے مگر ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ نے نصیحت کے رنگ میں فرمایا

دیکھو عمر سنبھل کر رہو۔ رسولِ خدا کی رکاب پر جو ہاتھ تم نے رکھا ہے اسے ڈھیلا نہ ہونے دینا کیونکہ خدا کی قسم! یہ شخص جس کے ہاتھ میں ہم نے اپنا ہاتھ دیا ہے بہرحال سچا ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میں اپنے جوش میں یہ ساری باتیں کہہ تو گیا مگر بعد میں مجھے سخت ندامت ہوئی اور میں توبہ کے رنگ میں اس کمزوری کے اثر کو دھونے کے لئے بہت سے نفلی اعمال بجالایا۔ یعنی صدقے کئے۔ روزے رکھے۔ نفلی نمازیں پڑھیں اور غلام آزاد کئے تا کہ میری اس کمزوری کا داغ دھل جائے۔‘‘
(سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 767-768)

حضرت مصلح موعودؓ صلح حدیبیہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم جب خانہ کعبہ کے طواف کے لئے تشریف لے گئے تو کفار مکہ نے خبر پاکر اپنے ایک سردار کو آپؐ کی طرف روانہ کیا کہ وہ جاکر کہے کہ اس سال آپؐ طواف کے لئے نہ آئیں۔ وہ سردار آپ کے پاس پہنچا اور بات چیت کرنے لگا۔ بات کرتے وقت اس نے آپ کی ریشِ مبارک کو ہاتھ لگایا کہ آپ اس دفعہ طواف نہ کریں اور کسی اگلے سال پر ملتوی کر دیں۔‘‘ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ’’ایشیاء کے لوگوں میں دستور ہے کہ جب وہ کسی سے بات منوانا چاہتے ہوں تو منّت کے طور پر دوسرے کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں یا اپنی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں کہ دیکھو! میں بزرگ ہوں اور قوم کا سردار ہوں میری بات مان جاؤ۔ چنانچہ اس سردار نے بھی منّت کے طور پر آپ کی داڑھی کو ہاتھ لگایا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی آگے بڑھے اور اپنی تلوار کا ہتھا مار کر سردار سے کہا اپنے ناپاک ہاتھ پیچھے ہٹاؤ۔ سردار نے تلوار کا ہتھا مارنے والے کو پہچان کر کہا تم وہی ہو جس پر میں نے فلاں موقع پر احسان کیا تھا۔ یہ سن کر وہ صحابی خاموش ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ سردار نے پھر منّت کے طور پر آپ کی داڑھی کو ہاتھ لگایا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اس سردار کے اس طرح ہاتھ لگانے پر سخت غصہ آرہا تھا مگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہ آتا تھا جس پر اس سردار کا احسان نہ ہو اور اس وقت ہمارا دل چاہتا تھا کہ کاش! ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہوتا جس پر اس سردار کا کوئی احسان نہ ہو۔ اتنے میں ایک شخص ہم میں سے آگے بڑھا جو سر سے پاؤں تک خود اور زِرہ میں لپٹا ہوا تھا اور بڑے جوش کے ساتھ سردار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ہٹالو اپنا ناپاک ہاتھ۔ یہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔‘‘ جنہوں نے یہ کہا تھا۔ ’’سردار نے جب ان کو پہچانا تو کہا ہاں میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم پر میرا کوئی احسان نہیں ہے۔‘‘
(ہندوستانی الجھنوں کا آسان ترین حل، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 560)

ذوالقعدہ چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا گیا تو اس معاہدے کی دو نقلیں تیار کی گئیں اور بطور گواہ کے فریقین کے متعدد معززین نے ان پر اپنے دستخط کیے۔ مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والوں میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے۔ یہ سیرت خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔
(ماخوذ از سیرت خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 769)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی اَور فتح نہیں ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد۵ صفحہ ۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۳ء)

سریہ حضرت ابوبکرؓ بطرف بنُو فزَارہ

اس کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ سریہ چھ ہجری میں ہوا ہے۔ بنو فَزَارَہ نَجد اور وادِی القُریٰ میں آباد تھے۔

(فرہنگ سیرت صفحہ 64 زوار اکیڈیمی کراچی 2003ء)

طبقات الکبریٰ میں اور سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ یہ سریہ حضرت زید بن حارثہؓ کی کمان میں بھیجا گیا تھا۔

(ماخوذ از الطبقات الکبریٰ جزء ۲ صفحہ ۶۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۷ء)
(ماخوذ از السیرۃ النبویہ لابن ہشام صفحہ ۸۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۱ء)

لیکن صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اس سریہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اِیَاس بن سَلَمہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس میرے والد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فَزَارَہ قبیلہ سے جنگ کی اور ہمارے امیر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ آپؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر امیر بنایا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد و السیر باب التنفیل و فداء المسلمین بالاساری حدیث ۴۵۷۳)
(سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب الرخصۃ فی المدرکین یفرق بینھم حدیث ۲۶۹۷)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس سریہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ہے کہ ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا ایک دستہ حضرت ابوبکرؓ کی کمان میں بنو فَزَارَہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ قبیلہ اس وقت مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا اور اس دستہ میں سَلَمہ بن اَکْوَعْ بھی شامل ہوئے جو مشہور تیرانداز اور دوڑنے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ سَلَمہ بن اَکْوَع بیان کرتے ہیں کہ ہم صبح کی نماز کے قریب اس قبیلہ کی قرارگاہ کے پاس پہنچے اور جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ہمیں حملہ کا حکم دیا۔ ہم قبیلہ فَزَارہ سے لڑتے ہوئے ان کے چشمہ تک جاپہنچے اور مشرکین کے کئی آدمی مارے گئے جس کے بعد وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور ہم نے کئی آدمی قید کر لئے۔ سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ بھاگنے والے لوگوں میں سے ایک پارٹی بچوں اور عورتوں کی تھی جو جلدی جلدی ایک قریب کی پہاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے ان کے اور پہاڑی کے درمیان تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ جس پر یہ پارٹی خائف ہو کر کھڑی ہوگئی اور ہم نے انہیں قید کر لیا۔ ان قیدیوں میں ایک عمر رسیدہ عورت بھی تھی جس نے اپنے اوپر سرخ چمڑے کی چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کی ایک خوبصورت لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی۔ میں ان سب کو گھیر کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے آیا اور آپؓ نے یہ لڑکی میری نگرانی میں دے دی۔ پھر جب ہم مدینہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ لڑکی لے لی اور اسے مکہ بھجوا کر اس کے عوض میں بعض ان مسلمان قیدیوں کی رہائی حاصل کی جو اہل مکہ کے پاس محبوس تھے۔‘‘ (سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 717-716) جن کو اہل مکہ نے قید کیا ہوا تھا۔ اس لڑکی کے عوض ان کو چھڑوایا۔

غزوۂ خیبر

کے بارے میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ محرم سات ہجری میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ خیبر ایک نخلستان ہے جو مدینہ منورہ سے ایک سو چوراسی کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ یہاں ایک آتش فشانی چٹانوں کا سلسلہ ہے۔ یہاں یہود کے بہت سے قلعے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ ان قلعوں کو مسلمانوں نے غزوۂ خیبر میں فتح کیا تھا۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور یہود کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مدینہ پر سِبَاعُ بن عُرْفُطَہ غِفَارِی کو امیر مقرر کیا۔

(تاریخ الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ ذکر الاحداث الکائنۃ فی سنۃ سبع من الھجرۃ غزوہ خیبر دار الفکر بیروت ۲۰۰۲ء)
(اٹلس سیرت نبوی از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل صفحہ 330 دار السلام)
(فرہنگ سیرت صفحہ 117 زوار اکیڈیمی کراچی 2003ء)

خیبر میں قلعوں کا محاصرہ دس سے زائد راتیں رہا۔

(المواہب اللدنّیہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۷ غزوہ خیبر المکتب الاسلامی ۲۰۰۴ء)

حضرت بُرَیدَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دردِ شقیقہ ہو جاتا تھا تو آپؐ ایک یا دو دن باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ پس جب آپؐ خیبر میں اترے تو آپؐ کو درد شقیقہ ہو گیا تو آپؐ لوگوں میں تشریف نہ لائے۔ سر درد ہوتی ہے جسے درد شقیقہ، Migraine کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کَتِیْبَہ کے قلعوں کی طرف بھیجا۔ پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لیا اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور سخت قتال کیا۔ پھر واپس آگئے اور فتح نہ ہوئی حالانکہ انہوں نے بہت کوشش کی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بھیجا۔ انہوں نے بھی آپؐ کا جھنڈا لیا

اور سخت قتال کیا اور یہ پہلے قتال سے بھی زیادہ سخت تھا۔ پھر آپؓ بھی واپس لوٹ آئے لیکن فتح نہ ہوئی۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جزء ۵ صفحہ ۱۲۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۳ء)

تاریخ وسیرت کی اکثر کتب میں یہی ملتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو یکے بعد دیگرے امیر لشکر بنایا گیا تھا لیکن ان کے ہاتھ سے قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ البتہ ایک کتاب ہے جس کا نام ’’سید ناصدیقِ اکبر‘‘ ہے۔ یہ لاہور سے فروری 2010ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہماری تحقیق کرنے والوں نے اس کو دیکھ کر مجھے لکھا ہے۔ اس میں مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ سے وہ قلعہ فتح ہوا تھا لیکن اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ بہرحال مصنف لکھتا ہے کہ ایک قلعہ کی فتح کے لیے حضرت ابوبکرؓ امیر لشکر ہو کر گئے جو آپؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ دوسرے قلعہ پر حضرت عمرؓ کو مقرر کیا گیا وہ بھی کامیاب ہوئے۔ تیسرے قلعہ کو سر کرنے کی مہم محمد بن مَسْلَمہؓ کے سپرد ہوئی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح میں ایسے شخص کو امیر لشکر بنا کر عَلَم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کو بہت دوست رکھتا ہے اور اس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہوگا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو عَلَم عنایت ہوا اور قلع قَمُوص فتح ہوا۔

(سید ناصدیق اکبرؓ صفحہ 49 از الحاج حکیم غلام نبی ایم۔ اے مطبوعہ ادبیات لاہور)

ایک روایت غزوۂ خیبر کے حوالے سے واقدی کی ہے۔ کیونکہ لوگ اس کی تاریخ بھی پڑھتے ہیں اس لیے ذکر کر دیتا ہوں لیکن ضروری نہیں کہ یہ سو فیصد صحیح ہو۔ بہرحال وہ لکھتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت حُبَاب بن مُنْذِرؓ نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہود کھجور کے درخت کو اپنی جوان اولاد سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ آپ ان کے کھجور کے درخت کاٹ دیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا ارشاد فرمایا اور مسلمانوں نے تیزی سے کھجوروں کے درخت کاٹنے شروع کیے۔ یہاں تک جو یہ بیان ہے وہ سو فیصد قابل قبول نہیں ہوسکتا لیکن بہرحال یہ اگلا حصہ صحیح لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً اللہ عزوجل نے آپؐ سے خیبر کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے جو اس نے آپؐ سے کیا ہے۔ آپؐ کھجور کے درخت نہ کاٹیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا اور کھجوروں کے درخت کاٹنے سے منع کر دیا۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ باب غزوہ خیبر دار الکتب العلمیة بیروت ۲۰۰۴ء)

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر فتح نصیب فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی ایک خاص وادی کَتِیْبَہ کو اپنے قرابت داروں اور اپنے خاندان کی عورتوں اور مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں میں تقسیم فرمایا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر رشتہ داروں کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایک سو وسق غلہ اور کھجوریں عطا فرمائیں۔

(ماخوذ از السیرة النبویة لابن ھشام صفحہ ۷۰۰ ذکر مقاسم خیبر و اموالھا۔ دار الکتب العلمیة بیروت ۲۰۰۱ء)

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اڑھائی کلو کا ہوتا ہے۔ (لغات الحدیث جلد 4 صفحہ 487 و جلد 2 صفحہ 648) اس طرح تقریباً تین سو پچھتر من غلہ بنتا ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے حصہ میں آیا۔

سَرِیَّہ حضرت ابوبکر بطرف نَجْد

اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نجد ایک نیم صحرائی لیکن شاداب خطہ ہے۔ اس میں متعدد وادیاں اور پہاڑ ہیں۔ یہ جنوب میں یمن، شمال میں صحرائے شام اور عراق تک جا پہنچتا ہے۔ اس کے مغرب میں صحرائے حجاز واقع ہے۔ یہ علاقہ سطح زمین سے بارہ سو میٹر بلند ہے۔ اس بلندی کی بنا پر اس کو نَجْد کہتے ہیں۔

(فرہنگ سیرت صفحہ 297 زوار اکیڈیمی کراچی 2003ء)

نَجْد میں بَنُو کِلَاب مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کو ان کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھیجا۔ یہ سریہ شعبان سات ہجری میں ہوا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا اور ہم لوگوں پر ان کو امیر بنایا۔

(سبل الھدیٰ والرشاد سریة ابوبکر الی بنی کلاب بنجد جلد ۶ صفحہ ۱۳۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۳)

ابوسفیان صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ آیا

تو اس کے بارے میں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب بنو بکر نے جو قریش کے حلیف تھے، مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خُزَاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے ہتھیاروں اور سواریوں سے بنو بکر کی مدد بھی کی اور صلح حدیبیہ کی شرائط کا پاس نہ کیا اور بڑے غرور اور تکبر سے کہہ دیا کہ ہم کسی معاہدے کو نہیں مانتے تو اس وقت ابوسفیان مدینہ میں آیا اور صلح حدیبیہ کے معاہدے کی تجدید چاہی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر وہ ابوبکرؓ کے پاس گیا اور ان سے بات کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں لیکن انہوں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر جیسا کہ حضرت عمرؓ کے ذکر میں بیان ہوچکا ہے وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ بہرحال وہ ناکام لوٹا۔

(ماخوذ از سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۳۴-۷۳۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۲۰۰۱ء)

(شرح زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۷۹-۳۸۰ دار الکتب العلمیة بیروت)

غزوۂ فتح مکہ، اس غزوہ کو غَزْوَةُ الْفَتْحِ الْاَعْظَم بھی کہتے ہیں۔

(شرح زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۸۶ دار الکتب العلمیة بیروت)

غزوۂ مکہ رمضان آٹھ ہجری میں ہوا۔ تاریخ طبری میں بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سفر کی تیاری کا ارشاد فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا۔ میرا سامان بھی تیار کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے پاس داخل ہوئے، ان کے گھر گئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کو تیار کر رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا اے میری بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں کچھ ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان تیار کرو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا میں بالکل نہیں جانتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف جا رہے ہیں اور آپؐ نے انہیں فوراً انتظام کرنے اور تیار ہونے کا ارشاد فرمایا اور دعا کی کہ

اے اللہ! قریش کے جاسوسوں کو اور ان کے مخبروں کو روکے رکھ یہاں تک کہ ہم ان لوگوں کو ان کے علاقوں میں اچانک پالیں۔

اس پر لوگوں نے تیاری شروع کر دی۔

(تاریخ الطبری لابی جعفر محمد بن جریر طبری ذکر الخبر عن فتح مکہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ دار الفکر بیروت ۲۰۰۲ء)

اس واقعہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سیرت حَلَبِیَّہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ سے استفسار فرما رہے تھے تو اسی وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ نے سفر کا ارادہ فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا تو پھر مَیں بھی تیاری کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! آپ نے کہاں کا ارادہ فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا قریش کے مقابلہ کا مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ابوبکر اس بات کو ابھی پوشیدہ ہی رکھنا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے بے خبر رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا قریش اور ہمارے درمیان ابھی معاہدے اور صلح کی مدت باقی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں مگر انہوں نے غداری کی ہے اور معاہدے کو توڑ دیا ہے مگر مَیں نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس کو راز ہی رکھنا۔

ایک روایت میں یوں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپؐ نے کسی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا شاید آپ بنو اَصْفَر یعنی رومیوں کی طرف کوچ کا ارادہ فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا تو کیا پھر نَجْد کی طرف کوچ کا ارادہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا پھر شاید آپ قریش کی طرف روانگی کا ارادہ فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مگر آپ کے اور ان کے درمیان تو ابھی صلح نامہ کی مدت باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے بنو کعب یعنی بنو خُزاعہ کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہات اور ارد گرد کے مسلمانوں میں پیغامات بھجوائے اور ان سے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کے مہینہ

میں مدینہ حاضر ہو جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے مطابق قبائل عرب مدینہ آنے شروع ہو گئے۔ جو قبائل مدینہ پہنچے ان میں بنو اسلم، بنو غِفَار، بنو مُزَیْنَہ، بنو اشْجَعْ اور بنو جُھَیْنَہ تھے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ ! قریش کے مخبروں اور جاسوسوں کو روک دے یہاں تک کہ ہم ان لوگوں پر ان کے علاقے میں اچانک جا پہنچیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام راستوں پر نگرانی کرنے والی جماعتیں بٹھادیں تا کہ ہر آنے جانے والے کے متعلق پتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جو کوئی بھی انجان شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے روک دینا تا کہ قریش کو مسلمانوں کی تیاری کا علم نہ ہو سکے۔

(السیرۃ الحلبیۃ، جلد ۳ صفحہ ۱۰۷-۱۰۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۲۰۰۲)

اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے کہا کہ میرا سامانِ سفر باندھنا شروع کرو۔ انہوں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا اور حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میرے لیے ستّو وغیرہ یا دانے وغیرہ بھون کر تیار کرو۔ اِسی قسم کی غذائیں ان دنوں میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مٹی وغیرہ پھٹک کر دانوں سے نکالنی شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ گھر میں بیٹی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ تیاری دیکھی تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کسی سفر کی تیاری میں ہیں؟ کہنے لگیں سفر کی تیاری ہی معلوم ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی تیاری کے لیے کہا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس پر کہا کوئی لڑائی کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا سامانِ سفر تیار کرو اور ہم ایسا کر رہے ہیں۔ دو تین دن کے بعد آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا دیکھو تمہیں پتہ ہے خُزَاعہ کے آدمی اس طرح آئے تھے اور پھر بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے اور مجھے خدا نے اِس واقعہ کی پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے غداری کی ہے اور ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اب یہ ایمان کے خلاف ہے کہ ہم ڈر جائیں اور مکہ والوں کی بہادری اور طاقت دیکھ کر ان کے مقابلہ کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ تو ہم نے وہاں جانا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! آپ نے تو ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور پھر وہ آپؐ کی اپنی قوم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کیا آپؐ اپنی قوم کو ماریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم اپنی قوم کو نہیں ماریں گے۔ معاہدہ شکنوں کو ماریں گے۔ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ بسم اللہ مَیں تو روز دعائیں کیا کرتا تھا کہ یہ دن نصیب ہو اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کفار سے لڑیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابوبکر بڑا نرم طبیعت کا ہے مگر قولِ صادق عمرؓ کی زبان سے زیادہ جاری ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیاری کرو۔ پھر آپؐ نے ارد گرد کے قبائل کو اعلان بھجوایا کہ ہر شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کے ابتدائی دنوں میں مدینہ میں جمع ہو جائے۔ چنانچہ لشکر جمع ہونے شروع ہوئے اور کئی ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہو گیا اور آپؐ لڑنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپؐ نے فرمایا اے میرے خدا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مکہ والوں کے کانوں کو بہرا کر دے اور ان کے جاسوسوں کو اندھا کر دے۔ نہ وہ ہمیں دیکھیں اور نہ ان کے کانوں تک ہماری کوئی بات پہنچے۔ چنانچہ آپؐ نکلے مدینہ میں سینکڑوں منافق موجود تھے لیکن دس ہزار کا لشکر مدینہ سے نکلتا ہے اور کوئی اطلاع تک مکہ میں نہیں پہنچتی۔ (ماخوذ از سیر روحانی (7)، انوار العلوم جلد 24 صفحہ 260 تا 262) یہ اللہ تعالیٰ کے کام تھے۔

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا قافلہ عشاء کے وقت مَرُّالظَّهْرَان میں اترا۔ مرالظہران مکہ سے مدینہ کے راستے پر پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یعنی پچیس کلومیٹر مکہ سے دور تھا۔ آپؐ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تو انہوں نے دس ہزار جگہ آگ روشن کی۔ قریش کو آپؐ کی روانگی کی خبر نہیں پہنچی۔ وہ غمگین تھے کیونکہ انہیں یہ ڈر تھا آپؐ ان سے جنگ کریں گے۔ یہ خیال تھا ان کا۔ خبر تو نہیں پہنچی لیکن یہ خیال تھا کہ قریش کی جنگ اب ضرور ہو گی۔ اس بات کا ان کو غم تھا۔ بہرحال لگتا ہے یہاں غلط لکھا گیا ہے روانگی کی خبر ان کو پہنچ گئی۔ یہاں پہنچنے کے بعد خبر پہنچی ہو گی۔ تو جب یہ قافلہ وہاں ٹھہر گیا اور دس ہزار جگہوں پر آگ روشن ہو گئی تو قریش نے ابوسفیان کو بھیجا کہ وہ حالات معلوم کرے۔ انہوں نے کہا اگر تُو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ہمارے لیے ان سے امان لے لینا۔ ابوسفیان بن حَرْب، حکیم بن حِزَام اور بُدَیل بن وَرْقَاء روانہ ہوئے۔ جب انہوں نے لشکر دیکھا تو سخت پریشان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات پہرے پر حضرت عمرؓ کو نگران مقرر فرمایا۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی آواز سنی تو پکار کر کہا کہ ابو حَنْظَلَہ، یہ ابوسفیان کی کنیت ہے، اس نے کہا لبیک۔ یہ تمہارے پیچھے کیا ہے؟ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دس ہزار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عباسؓ نے اسے پناہ دی۔ اسے اور اس کے دونوں ساتھیوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ تینوں اسلام لے آئے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۰۲-۱۰۳ غزوہ رسول اللہ عام الفتح دارالکتب العلمیۃ ۲۰۱۷ء)
(اٹلس سیرت نبویؐ صفحہ 396 مکتبہ دار السلام)

ابھی اس کا تسلسل آگے جاری ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گا۔

(الفضل انٹرنیشنل 25/ فروری 2022ء)

بقیہ: دربارِ خلافت...... از صفحہ 2

از صفحہ 2

پیارے بیٹوں کا اُنہیں فکر نہ ہو گا جو لاہور میں ایک بے شرم اور اس کے ہم خیال مسیح علیہ السلام کے اہلِ بیت پر ناجائز حملے کرتے ہیں۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد 2 صفحہ 77 تا 79۔ از روایات حضرت خان زادہ امیر اللہ خان صاحبؓ)

اُس وقت غیر مبائعین جو لاہور ہی چلے گئے تھے، اُن کا پھر خواب میں اُن کو (خیال) آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیا اپنے بیٹے کی فکر نہیں ہو گی؟ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف اشارہ ہے۔ اس بات پر ان کو مزید یقین پیدا ہوا کیونکہ اُس زمانے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خلافت پر کافی فتنہ تھا)۔

حضرت میاں میراں بخش صاحبؓ ٹیلر ماسٹر بیان کرتے ہیں۔ (1900ء کی ان کی بیعت ہے) کہ بیعت کی تحریک اس طرح پیدا ہوئی تھی کہ ہمارے بھائی غلام رسول صاحب ہم سے پہلے احمدی ہو چکے تھے مگر اَن پڑھ تھے۔ مَیں جب دوکان سے اپنے گھر کی طرف جاتا تھا تو راستے میں اُن سے ملا کرتا تھا۔ اُن کے ساتھ سلسلے کی باتیں بھی ہوتی تھیں۔ میں چونکہ مخالف تھا اس لئے اُن کو جھوٹا کہا کرتا تھا۔ لیکن جب گھر آ کر سوچتا تو نفس کہتا کہ گو یہ اَن پڑھ ہے مگر ان کی باتیں لاجواب ہیں۔ ایک دفعہ میرے بھائی نے مجھے کچھ ٹریکٹ دیئے جو مَیں نے پڑھے، اُن کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اس پر مَیں نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا شروع کر دی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ مَیں اپنی چارپائی سے اُٹھ کر پیشاب کرنے گیا ہوں مگر دیکھتا ہوں کہ کھڑکی کھلی ہے۔ مَیں حیران ہوا کہ آج یہ کھڑکی کیوں کھلی ہے۔ مَیں جب کھڑکی کی طرف گیا تو دیکھا کہ ایک بزرگ ہاتھ میں کتاب لئے پڑھ رہے ہیں۔ مَیں نے سوال کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے جو آپ پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کتاب مرزا صاحب کی ہے اور ہم تمہارے لئے ہی لائے ہیں۔ جب انہوں نے کتاب دی تو مَیں نے کہا کہ یہ تو چھوٹی تختی کی کتاب ہے۔ مَیں نے اُن کے ٹریکٹ دیکھے ہیں وہ تو بڑی تختی کے ہوتے ہیں۔ وہ بزرگ بولے کہ مرزا صاحب نے یہ کتاب چھوٹی تختی کی چھپوائی تھی۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ مَیں نے خیال کیا کہ شاید رات کو مَیں دعا کر کے ان خیالات میں سویا تھا، یہ اُن کا ہی اثر ہو گا۔ مگر جب مَیں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر کی طرف آیا تو غلام رسول کی دوکان پر ایک شخص بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ مَیں نے کہا یہ کونسی کتاب ہے جو پڑھ رہے ہو؟ میاں غلام رسول صاحب نے اُس کے ہاتھ سے کتاب لے کر میرے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ تم جو کتاب مانگتے تھے یہ کتاب آپ کے لئے ہی مَیں لایا ہوں، یہ آپ لے لیں۔ مَیں نے کتاب کو دیکھ کر کہا کہ یہ کتاب رات خواب میں مجھے مل چکی ہے۔ اس پر مَیں نے ازالہ اوہام کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھا اور اپنے دل سے سوال کیا کہ اب بھی تمہیں کوئی شک و شبہ باقی ہے۔ میرے دل نے جواب دیا کہ اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ اس لئے مَیں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ جلد 10 صفحہ 117-118 از روایات میاں میراں بخش صاحبؓ ٹیلر ماسٹر) (یعنی چند گھنٹوں کے اندر اندر خواب پوری بھی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق بھی دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آ جائیں۔)

(خطبہ جمعہ 25/ جنوری 2013ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن بشیر مورگورو، تنزانیہ

معراج اور اسراء کی حقیقت

(قسط اول)

معراج اور اسراء

معراج اور اسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دو بزرگ کشوف اور عظیم الشان معجزات ہیں جن کی تفصیل قرآن کریم اور احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ ان دونوں واقعات کو امت مسلمہ میں بڑی قدر و منزلت سے یاد رکھا جاتا ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ اس قدر شان و شوکت رکھنے والے ان معجزات کی تفاصیل میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف جس نے بڑی لمبی بحثوں کو جنم دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سے شروع ہو کر اب تک چلا آرہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اُن بنیادی غلطیوں کی طرف نشان دہی کروں جو اس اختلاف کی وجہ بنیں ضروری سمجھتا ہوں کہ رؤیا اور کشوف کے بارہ میں کچھ عرض کر دوں۔

رؤیا اور کشوف کی حقیقت

رؤیا کا لفظ اردو میں خواب کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے یعنی سوتے ہوئے کوئی نظارہ دیکھنا۔ اور یہ ہر انسان کے تجربے میں ہے جس میں نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں۔ مگر انبیاء کو جو رؤیا ہوتے ہیں وہ اپنی کیفیت، شان و شوکت اور عظمت میں عام انسان کی رؤیا یا خواب سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ یہ رؤیائے صادقہ ہوتے ہیں جن میں الہامی رنگ نظر آتا ہے۔ اور بعض رؤیا مستقبل کی جلیل القدر پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ قرآن شریف میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت یوسف نے رؤیا میں سورج چاند اور گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ اس پر آپ کے والد حضرت یعقوب نے فرمایا: لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ

(یوسف: 6)

کہ اپنی رؤیا اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رؤیا کا ذکر ہے آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذکر کیا:

’’اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ‘‘ (الصّٰفّٰت: 103) یقیناً میں سوتے میں دیکھا کرتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ جب اس خواب پر عمل کرنے کے لئے دونوں باپ بیٹا راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو مخاطب کر کے فرمایا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (الصّٰفّٰت:106)

یقیناً تو اپنی رؤیا پوری کر چکا ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔

اب آیئے کشف کی طرف! کشف عربی کا لفظ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا کھولنا یا ظاہر کرنا یا کسی امر کا انکشاف کرنا۔ یہ اک ایسی کیفیت کا نام ہے جب انسان غنودگی یا عین بیداری کی حالت میں ایسے مشاہدات کر لیتا ہے جو عام انسان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسے غیبی امور سے اطلاع دی جاتی ہے۔ سچے خواب کی طرح کشف کی حالت کسی بھی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ عام انسان کو جو کشف کی طاقت حاصل ہوتی ہے وہ معمولی نوعیت کی ہوتی ہے اور یہ خاص ذہنی صلاحیت اور مسلسل مجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ کافر، بے دین اور مشرک کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

مگر جو کشوف انبیاء اور اولیاء اللہ کو دکھائے جاتے ہیں وہ اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے اور امورِ غیبیہ کی کثرت کی وجہ سے عام انسان کے کبھی کبھار کے تجربہ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب سرمہ چشم آریہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

’’خدائے تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔

1. عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسّل سے محسوس ہو سکتا ہے۔
2. عالم باطن جو عقل اور قیاس کے سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔
3. عالم باطن در باطن جو ایسا نازک اور لایدرک و فوق الخیالات عالم ہے جو تھوڑے ہیں جو اس سے خبر رکھتے ہیں۔ وہ علم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظن محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور کسی ذریعہ سے۔‘‘

’’عقلمند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جوادِ مطلق نے عالم اول کے ادنیٰ ادنیٰ امور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس اور طاقتیں عنایت کی ہیں وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالیشان امور کے دریافت سے جس سے حقیقی اور کامل تعلق خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دنیا میں انوارِ نجات نمایاں ہو جاتے ہیں کیوں انسان کو محروم رکھتا۔‘‘

’’صاحب کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ اُن کی کُنہ کو سمجھنے میں عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہٖ تعالیٰ اس کی آواز بھی سن لیتا ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سن لیتا ہے جس کی صورت اُس پر منکشف ہوئی ہے۔‘‘

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2)

دو بنیادی غلطیاں

واقعہ معراج اور اسراء کے بارہ میں دو بڑی بنیادی اور بھاری غلطیاں کی گئیں جو وقت گزرنے کے ساتھ پختہ تر ہوگئیں اور آج اُمت مسلمہ کی اکثریت (علماء و عوام) اصل حقائق کے برعکس اپنا عقیدہ بنا کر اس پر عمل پیرا ہیں اور ہر سال 27 رجب کو اس واقعہ کی یاد میں شب معراج منائی جاتی ہے اور مختلف قسم کی بدعات اور خلاف اسلام رسوم بھی اس میں داخل کر دی گئی ہیں۔

پہلی غلطی: واقعہ معراج اور اسراء کے ضمن میں پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ان دو علیحدہ علیحدہ واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھ لیا گیا حالانکہ ان دونوں میں کم از کم پانچ سے سات سال کے عرصہ کا فرق ہے۔ معراج کا سفر نبوت کے پانچویں سال یا اس سے کچھ پہلے کا ہے جبکہ اسراء کا سفر ہجرت سے چھ ماہ یا ایک سال قبل پیش آیا۔ قرآن کریم میں معراج کا واقعہ سورۃ النجم میں بیان کیا ہے جس میں بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ کا کوئی ذکر نہیں ملتا جبکہ اسراء کا واقعہ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے جس میں آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

احادیث میں بھی ان دونوں واقعات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ معراج کی حدیث بخاری میں چھ جگہوں پر بیان کی گئی ہے اسی طرح واقعہ اسراء کا ذکر بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ان دونوں واقعات کو علیحدہ طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح طبقات ابن سعد جلد اول میں مشہور مؤرخ ابن سعد نے بھی دونوں کو علیحدہ علیحدہ تاریخوں میں مختلف تفاصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں سوئے ہوئے تھے جبکہ اسراء والے واقعہ کی رات آپ اپنی چچا زاد بہن اُم ہانی (حضرت ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی کی بہن) کے گھر سوئے تھے۔

دوسری غلطی: دوسری اہم ترین غلطی یہ ہوئی کہ اسراء اور معراج دونوں کو جسمانی سمجھ لیا گیا جو کہ واضح قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اسی سورۃ بنی اسرائیل میں جسے سورۃ اسراء بھی کہا جاتا ہے اس دعوی کو واضح طور پر رد کر دیا گیا۔

کُفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے اور وہاں سے نشان کے طور پر کتاب لانے کا مطالبہ کیا جس پر ارشاد ہوا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

(بنی اسرائیل:94)

تُو کہہ دے کہ میرا رب (ان باتوں سے) پاک ہے (اور) میں تو ایک بشر اور رسول کے سوا کچھ نہیں۔

جسمانی معراج کے حق میں دلائل

جسمانی معراج یا اسراء کے حق میں دلائل دینے والے یہ کہتے ہیں کہ آیت اسراء سُبۡحٰنَ سے شروع ہوتی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ کوئی معمولی خواب میں آنے والا واقعہ نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ نے سُبۡحٰنَ کہہ کر بتایا کہ یہ بہت عظیم الشان واقعہ ہے (یعنی جسم سمیت اسراء و معراج) جو عام انسانوں کی عقل سے بالا تر ہے۔ اب دیکھیں کہ جس جگہ رسول اللہ کے جسم سمیت آسمان پر چڑھنے کو رد کیا جا رہا ہے وہاں بھی سُبۡحٰنَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پس صرف اس لفظ سے اسراء و معراج کا جسمانی ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آیت اسراء میں ’’بِعَبۡدِہٖ‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور عَبۡد جسم بمع روح کے معنی میں ہے۔ اکیلی روح کے معراج کے لئے عَبۡد کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تیسری دلیل کے طور پر سورۃ النجم کی پہلی آیت ’’وَالنَّجۡمِ‘‘ پیش کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی اور اسلوب قرآن سے ثابت ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ نے قسم کھائی وہ کسی غیر معمولی واقعہ کے رونما ہونے کے ثبوت کے طور پر ہوتی ہے۔ اگر معراج اور اسراء محض ایک خواب تھا تو خدا تعالیٰ کو قسم کھا کر اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اسے سورۃ بنی اسرائیل میں لوگوں کے لئے آزمائش قرار دیا۔ ایک خواب اہل مکہ کے لئے کسی آزمائش کا موجب نہیں بن سکتی تھی۔

پانچویں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسراء کی رات کے واقعات پر کفار مکہ نے شام سے آنے والے قافلے سے تصدیق کی اور واقعات ویسے ہی تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے۔

چھٹی دلیل کے طور پر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ سورۃ النجم میں مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم:18) کہا گیا ہے کہ نہ نظر کج ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ یہ نظر کا دیکھنا جسمانی آنکھ سے تھا نہ روح کی آنکھ سے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی تفسیر بنی اسرائیل میں ان دلائل کو نقل کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم)

ابن ہشام نے بھی اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

1. ایک وہ جو معراج کو جسمانی مانتے ہیں۔
2. دوم وہ لوگ جو اسے روحانی مانتے ہیں یعنی کہ ایک خواب۔
3. اور ایک تیسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ معراج دو دفعہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ عالم خواب میں اور دوسری مرتبہ جسمانی معراج ہوئی۔ اس تیسرے گروہ کے سرخیل حضرت ابو بکر ابن عربی ہیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد دوم)

موجودہ دور میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ’’تفہیم القرآن‘‘ تفسیر سورۃ بنی اسرائیل اور ڈاکٹر طاہر القادری ’’فلسفہء معراج‘‘ جسمانی معراج کے قائل ہیں جبکہ غلام احمد پرویز، مولانا امین اصلاحی اور جاوید احمد غامدی روحانی معراج کے قائل ہیں۔

روحانی معراج کے حق میں دلائل

سورۃ بنی اسرائیل جس میں واقعہ اسراء بیان ہوا ہے اسی سورۃ میں خدا تعالیٰ نے واقعہ اسراء کو رؤیا قرار دیا اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اسراء کے واقعہ سے متعلق ہے۔ فرمایا

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ (الاسراء: 61)

ترجمہ اور وہ خواب جو ہم نے تجھے دکھایا اُسے ہم نے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش۔

سورۃ النجم جس میں واقعہ معراج بیان ہوا ہے اس میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم:12)

کہ اس موقع پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے دیکھا وہ ٹھیک ٹھیک اور سچ تھا۔

حضرت امام بخاری واقعہ معراج پر جو حدیث لائے ہیں وہ کِتَابُ التَّوۡحِیۡدِ بَاب کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا میں موجود ہے اور حضرت انس سے مروی ہے۔ اس کے آغاز میں لکھا ہے :۔ ’’وَھُوَ نَآئِمٌ فِی الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ‘‘ کہ جس رات معراج کا واقعہ پیش آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں سو رہے تھے۔ اس کے بعد لمبی روایت ہے اور اس کے اختتام پر درج ہے کہ ’’وَاسۡتَیۡقَظَ وَھُوَ فِی الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ‘‘ اور جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں تھے۔

ایک دوسری رویت میں ہے کہ معراج کا نظارہ آپ کو نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دکھایا گیا۔ (بخاری باب بدء الخلق)

مشہور اسلامی مؤرخ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا ’’مَا فُقِدَ جَسَدُہٗ‘‘ اللہ رب العزت نے آپ کی روح کو سیر کرائی۔

ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں جب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے حضور کی معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ’’وہ اللہ کی جانب سے سچی خواب تھی۔‘‘

(سیرت ابن ہشام جلد دوم)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہئے۔ ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اس لئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمورہ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے۔‘‘

(ازالہ اوہام حصہ اول)

پھر فرمایا:۔

’’ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا سو یہ عقیدہ غلط ہے اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔‘‘

(الحکم جلد 10 نمبر 21 مورخہ 17 جون 1906 صفحہ 4)

دونوں واقعات میں خلط ملط کیوں ہوا؟

یہاں نہایت اہم سوال اُٹھتا ہے کہ دو اتنے عظیم الشان اور تاریخی واقعات میں اس قدر اختلاف کیونکر پیدا ہوا؟

پہلی بات جو ذہن میں رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ عربی زبان میں رات کے سفر کو اسراء کہا جاتا ہے خواہ یہ سفر زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جانے کا ہو یا زمین سے آسمان کی طرف سفر ہو۔ اب چونکہ اسراء اور معراج کے دونوں سفر رات کو ہوئے اور ایک ہی رات میں مکمل ہوئے اس لئے دونوں سفروں کے لئے اسراء کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔ مگر روایات سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ بعض دفعہ صحابہ اسراء کا لفظ صرف مسجد الحرام سے بیت المقدس اور واپس بیت الحرام کے لئے ہی استعمال کرتے تھے چنانچہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ جو بخاری اور مسلم میں مروی ہے اسراء کا لفظ صرف بیت المقدس تک جانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(خصائص الکبریٰ جلد اول)

دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں سفروں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں (اگرچہ اس میں راویوں کی غلطی بھی شامل ہے) جس نے دونوں واقعات کو ایک واقعہ سمجھے کی بنیاد رکھی۔ مگر یہ اشتراک کسی ایک روایت میں نہیں بلکہ مختلف روایات کو اکٹھا پڑھیں تو یہ قدر مشترک سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر دونوں سفروں میں:

1. براق کا ذکر ملتا ہے۔
2. انبیاء سے ملاقات کا ذکر ہے۔
3. انبیاء کو نماز پڑھانے یعنی امامت کا ذکر آتا ہے۔
4. جنت اور دوزخ کے بعض مناظر دیکھنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

ان وجوہات کے زیر اثر اسراء اور معراج کو ایک واقعہ سمجھ لیا گیا۔ یعنی ایک ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اور پھر مسجد اقصیٰ سے آسمان کا سفر۔ پھر واپسی پر آسمان سے مسجد اقصیٰ اور واپس مکہ مکرمہ۔

اسراء اور معراج کی تاریخ

چونکہ مسلمانوں میں اسراء اور معراج کو ایک ہی واقعہ مانا جاتا ہے اس لئے اس واقعہ کی تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس کے باوجود ان میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

اگر صرف سال کے تعین کی بات کریں تو دس مختلف روایات ملتی ہیں کوئی ہجرت سے چھ ماہ قبل بتاتا ہے کوئی ایک سال قبل۔ کسی روایت میں دو سال قبل ہجرت کا ذکر ہے اور کسی میں پانچ سال کا، وغیرہ۔

اسی طرح مہینہ کے تعین کے بارہ میں پانچ مختلف روایات ہیں ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان اور رمضان کا ذکر ملتا ہے۔

دن میں بھی اختلاف ہے۔ تین روایات ہیں جن میں جمعہ، ہفتہ اور پیر کے دن بتائے گئے ہیں۔

جس رات کو معراج ہوئی اس بارہ میں چار تاریخوں کا تذکرہ ملتا ہے یعنی 17 ربیع الاول، 27 ربیع الاول، 29 رمضان اور 27 رجب وغیرہ۔ زیادہ تر مسلمان علماء اور عوام 27 رجب کی روایت پر یقین رکھتے ہیں اور اس رات منانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ساری رات عبادت کرنے اور مختلف قسم کی بدعات اور رسومات اس رات کے ساتھ منسلک کر دی گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی نہ تو اس رات کسی خاص تقریب کا اہتمام فرمایا اور نہ ہی اُمت کو اس کی فضیلت بیان کرکے اس رات عبادت کا حکم دیا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی شب معراج منانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب بعد کی ایجادات ہیں جن کا اسلام کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے جماعت احمدیہ ایسی بدعات کو درست نہیں سمجھتی اور ایسی رسومات سے اپنے آپ کو دور رکھتی ہے۔

اب تک میں نے اسراء اور معراج کا مختصر تعارف کروایا ہے۔ اب یہاں میں اسراء اور معراج کو علیحدہ علیحدہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے چونکہ معراج کا واقعہ پہلے اور اسراء بعد میں ظہور پذیر ہوا اس لئے میں پہلے معراج کے سفر سے شروع کروں گا۔

واقعہ معراج

معراج عربی زبان کا لفظ ہے جو عَرَجَ سے نکلا ہے جس کے معنیٰ اوپر چڑھنے کے ہیں اور اسی وجہ سے سیڑھی کو معراج کہا جاتا ہے جو بلندی پر چڑھنے کے کام آتی ہے۔ قرآن کریم میں واقعہ معراج سورۃ النجم میں بیان ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ﴿۶﴾ ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ﴿۷﴾ وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ﴿۸﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۹﴾ فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ﴿۱۰﴾ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۱﴾ مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۲﴾ اَفَتُمٰرُوۡنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۳﴾ وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ﴿۱۴﴾ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَھٰی ﴿۱۵﴾ عِنۡدَھَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ﴿۱۶﴾ اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا

يَغۡشٰى ۝١٧ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝١٨ لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى ۝١٩

(النجم: 6 تا 19)

ترجمہ: اسے مضبوط طاقتوں والے نے سکھایا ہے۔ جو بڑی حکمت والا ہے۔ پس وہ فائز ہوا۔ جبکہ وہ بلند ترین اُفق پر تھا۔ پھر وہ نزدیک ہوا۔ پھر وہ نیچے اُتر آیا۔ پس وہ دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا یا اس سے بھی قریب تر۔ پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہ وحی کیا جو بھی وحی کیا۔ اور دل نے جھوٹ بیان نہیں کیا جو اُس نے دیکھا۔ پس کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو اُس نے دیکھا؟ جبکہ وہ اسے ایک اور کیفیت میں بھی دیکھ چکا ہے۔ آخری حد پر واقع بیری کے پاس۔ اور اس کے قریب ہی پناہ دینے والی جنت ہے۔ جب بیری کو اس نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔ نہ نظر کج ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کے نشانات میں سے سب سے بڑا نشان دیکھا۔

سورۃ النجم کی یہ وہ آیات ہیں جو واقعہ معراج کے بارہ میں بیان کی جاتی ہیں۔ یہاں چار اہم سوال اُٹھائے جاتے ہیں:

چار اہم سوال

1۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ آیات واقعہ معراج کے بارہ میں ہیں؟

2۔ قَابَ قَوۡسَيۡنِ میں کیا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا حضرت جبریل علیہ السلام کا؟

3۔ معراج کی رات کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا؟

4۔ کیا واقعہ معراج صرف ایک مرتبہ ہوا یا ایک سے زائد مرتبہ؟

آیئے پہلے سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں!

سورۃ النجم کی ان آیات میں جن امور کا ذکر ہوا ہے وہ سب معراج سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں ملتا ہے مثلاً

1۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى تک جانا

2۔ اس وقت سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى پر کسی چیز کا نازل ہونا

3۔ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى کے پاس جنت کا دیکھنا

4۔ قَابَ قَوۡسَيۡنِ کی حالت کا پیدا ہونا

5۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا

6۔ کلام الٰہی کا وہاں نازل ہونا

ان تمام باتوں کی تصدیق کے لئے ہمیں اُن روایات کو دیکھنا ہوگا جو واقعہ معراج کے تعلق میں احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کوئی ایک روایت علیحدہ طور پر ان تمام امور کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ تمام روایات کو یکجا دیکھ کر نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ چونکہ یہاں ساری روایات درج نہیں کی جاسکتیں۔ (واقعہ معراج کو کم از کم 25 صحابہ نے روایت کیا ہے) میں یہاں صحیح بخاری کی روایت کا خلاصہ پیش کروں گا جو حضرت انس سے مروی ہے اور جسے امام بخاری ’’كِتَابُ التَّوۡحِيۡدِ بَاب كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ‘‘ کے تحت لائے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور مضبوط اور معتبر روایات سے بھی کچھ واقعات لئے گئے ہیں۔

’’ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے اس حصہ میں جو حطیم کہلاتا ہے لیٹے ہوئے تھے اور یقظہ اور نوم کی درمیانی حالت تھی یعنی آپ کی آنکھ تو سوتی تھی مگر دل بیدار تھا کہ آپ نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے آپ کے قریب آکر آپ کو اُٹھایا اور چاہ زمزم کے پاس لاکر آپ کا سینہ چاک کیا اور آپ کے دل کو زمزم کے مصفا پانی سے اچھی طرح دھویا۔ اس کے بعد ایک سونے کی طشتری لائی گئی جو ایمان وحکمت سے لبریز تھی اور حضرت جبرائیل نے آپ کے دل میں حکمت و ایمان کا خزانہ بھر کر آپ کے سینہ کو پھر اُسی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آپ کو اپنے ساتھ لے کر آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور پہلے آسمان پر پہنچ کر دستک دی۔ دربان نے پوچھا کون ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا میں جبرائیل ہوں اور میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دربان نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا ہاں۔ اس پر دربان نے دروازہ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ اندر داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بزرگ انسان کو دیکھا۔ جس نے آپ کو مخاطب ہو کر کہا ’’مَرۡحَبًا اے صالح نبی اور اے صالح فرزند۔‘‘ اور آپ نے بھی اُسے سلام کیا۔ اس شخص کے دائیں اور بائیں ایک بہت بڑی تعداد میں روحوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتا تو اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھتا تھا اور جب بائیں طرف دیکھتا تھا تو غم سے اُس کا منہ اُتر جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسل نے جبرائیل سے پوچھا! یہ صاحب کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں طرف ان کی نسل میں سے اہل جنت کا سایہ پڑ رہا ہے جسے دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف اہل نار کا سایہ ہے جسے دیکھ کر وہ غم محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل آپ کو لے کر آگے چلے اور دوسرے آسمان کے دروازہ پر بھی آپ کو یہی واقعہ پیش آیا۔ اور اس کے اندر داخل ہو کر آپ نے دو شخصوں کو دیکھا جنہوں نے ان الفاظ میں آپ کو خیر مقدم کیا کہ ’’مَرۡحَبًا اے صالح نبی اور صالح بھائی‘‘ اور آپ نے بھی انہیں سلام کیا۔ اور جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ ہیں جو خالہ زاد بھائی تھے۔ اسی طرح جبرائیل آپ کو اپنے ساتھ لے کر تیسرے اور چوتھے اور پانچویں آسمان میں سے گزرے جن میں آپ نے علی الترتیب حضرت یوسفؑ اور حضرت ادریسؑ اور حضرت ہارونؑ کو پایا۔ چھٹے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی اور حضرت موسیٰؑ نے بھی آپ کو اسی طرح مَرۡحَبًا کہا اور آپ نے سلام کیا۔ جب آپ ان سے آگے گزرنے لگے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے جس پر آواز آئی۔ اے موسیٰ! کیوں روتے ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا۔ اے میرے اللہ! یہ نوجوان میرے پیچھے آیا مگر اسکی اُمت میری اُمت کی نسبت جنت میں زیادہ داخل ہوگی۔ میرے اللہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے آکر مجھ سے آگے نکل جائے گا۔ اس کے بعد آپ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے جہاں آپ کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی جو بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے یہ بیت معمور آسمانی عبادت گاہ کا منظر تھا (جس کے گویا ظل کے طور پر دنیا میں کعبۃ اللہ تعمیر ہوا تھا)۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی آپ کو دیکھ کر اُسی طرح مَرۡحَبًا کہا جس طرح حضرت آدم نے کہا تھا (کیونکہ وہ بھی حضرت آدم کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے) اور آپ نے بھی اسی طرح اُن کو سلام کہا۔

اس کے بعد آپ اور آگے بڑھے اور وہاں پہنچے جہاں اس وقت تک کسی بشر کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ یہاں آپ نے اپنے اوپر سے بہت سی قلموں کے چلنے کی آواز سنی (جو گویا قضا و قدر کی قلمیں تھیں)۔ اس کے بعد آپ کو اپنے سامنے ایک بیری کا درخت نظر آیا جو گویا زمینی تعلقات کے لئے آسمان کا آخری نقطہ تھا اور اس کے ساتھ سے جنت الماوی شروع ہوتی تھی۔ اس بیری کے درخت کے پھل اور پتے بڑے بڑے اور عجیب و غریب قسم کے تھے۔ جب آپ نے اس درخت کو دیکھا تو اس پر ایک فوق البیان اور گوناگوں تجلی کا ظہور ہوا جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ الفاظ میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں بیان کرسکیں۔ اس بیری کے نیچے چار دریا بہ رہے تھے جن کے متعلق جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ ان میں سے دو دریا تو دنیا کے ظاہری دریا نیل و فرات ہیں اور دو باطنی دریا ہیں جو جنت کی طرف کو بہتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کو حضرت جبرائیل اپنی اصلی شکل و صورت میں نظر آئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ چھ سو پروں سے آراستہ ہیں۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور بالآخر آپ نے دیکھا کہ آپ خدائے ذوالجلال کے دربار میں پیش ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے بلا واسطہ کلام فرمایا اور بعض بشارات دیں اور آخر کار خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ آپ کی اُمت کے لئے رات دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ آپ یہ حکم لے کر واپس آئے تو راستہ میں حضرت موسیٰ نے آپ کو روک کر پوچھا کہ آپ کو کیا احکام ملے ہیں؟ آپ نے پچاس نمازوں کا حکم بیان کیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ حکم سن کر چونک پڑے اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ واسطہ پڑنے کی وجہ سے صاحب تجربہ ہوں۔ آپکی امت کو اتنی نمازوں کی ہرگز برداشت نہ ہوگی۔ پس آپ واپس جائیں اور خدا تعالیٰ سے اس حکم میں تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ گئے اور اللہ تعالیٰ نے پچاس میں دس کی کمی کر کے چالیس نمازوں کا حکم دیا۔ مگر واپسی پر حضرت موسیٰ نے پھر روکا اور کہا کہ یہ بھی بہت زیادہ ہیں آپ واپس جاکر مزید رعایت مانگیں۔ اس پر آپ پھر گئے اور دس کی مزید رعایت منظور ہوئی۔ غرض اس طرح حضرت موسیٰؑ کے مشورہ پر آپ بار بار خدا کے دربار میں گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کا حکم دیا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے آپ کو پھر روکا اور مزید رعایت کے لئے واپس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کو دیکھ چکا ہوں اور وہ اس سے بھی کم عبادت کو نباہ نہیں سکے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اب مجھے واپس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس پر غیب سے آواز آئی ’’اے محمد! یہ پانچ نمازیں بھی ہیں اور پچاس بھی کیونکہ ہم نے ایک نماز کے بدلے میں دس کا اجر مقرر کر دیا ہے۔ اس طرح ہمارے بندوں سے تخفیف بھی ہوگئی اور ہمارا اصل حکم بھی قائم رہا۔ اس کے بعد جب آپ مختلف آسمانوں سے ہوتے ہوئے نیچے اترے تو آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے دیکھا کہ اسی طرح مسجد حرام میں لیٹے ہوئے ہیں۔‘‘

(سیرت خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمدؓ)

سورۃ النجم میں ایک بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ان نظاروں کے وقت ایک ایسی حالت پیدا ہوئی جس کا نام ’’فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى‘‘ رکھا گیا ہے معراج کی روایات میں اس کا بھی ذکر موجود ہے۔ (یہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے جسے ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کتب حدیث میں بھی یہ روایت آئی ہے) حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں سدرۃ المنتھی کے ذکر کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ ’’فَكَانَ بَيۡنِيۡ وَبَيۡنَهٗ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى‘‘ یعنی میرے اور اس کے درمیان صرف قَابَ قَوۡسَيۡنِ یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا۔

DAILY LONDON ALFAZL ONLINE
www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

سورۃ النجم میں ایک امر یہ بیان کیا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ’’مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى‘‘ خصائص الکبریٰ میں حضرت اسماء بنت ابی بکر کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

سورۃ النجم میں ارشاد ہے کہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اللہ تعالیٰ کی وحی آپ پر نازل ہوئی۔حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ’’فَكَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى‘‘ کہ اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ سے کلام کیا۔

یہ مختلف روایات کا خلاصہ ہے۔ اور اس میں اُن تمام چھ امور کا بھی ذکر ہے جو سورۃ النجم میں بیان ہوئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سورۃ النجم میں واقعہ معراج ہی کو بیان کیا گیا ہے۔

معراج کی رات انبیاء سے ملاقات

شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل انبیاء سے ملاقات فرمائی:

1. پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے
2. دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰؑ سے
3. تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے
4. چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے
5. پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے
6. چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور
7. ساتوں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

قَابَ قَوْسَيْنِ

قَابَ قَوْسَيْنِ کا مطلب ہے دو ہاتھ کا فاصلہ یا دو کمانوں کا آپس میں فاصلہ۔

اب میں دوسرے سوال کی طرف آتا ہوں کہ قاب قوسین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل کے نزدیک ہونے کا ذکر ہے یا خدا تعالیٰ کے۔اس بارے میں بھی مفسرین میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ان آیات کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یوں ہے:

’’پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرائیل آنحضرت کے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے یہاں تک کہ حضور کے اور حضرت جبرائیل کے درمیان دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی اور نزدیکی ہو گئی‘‘

(تفسیر ابن کثیر سورۃ النجم)

سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں

’’یہ جو سورۃ النجم میں ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى یعنی پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا اس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے کہ ان تین بزرگ صحابیوں (حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا بیان ہے۔صحابہ میں سے تو کوئی اس آیت کی تفسیر میں ان کا مخالف نظر نہیں آتا‘‘

(تفسیر ابن کثیر جلدسوم)

اس کے برعکس حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ آیت دَنَا فَتَدَلّٰى کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

’’اور وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کے اضطراب کو دیکھ کر اور ان پر رحم کر کے خدا سے ملنے کے لئے) اس سے قریب ہوئے اور وہ (خدا) بھی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں) اوپر سے نیچے آ گیا۔‘‘

(تفسیر صغیر سورۃ النجم)

(باقی کل ان شاء اللہ)

فقہی کارنر

نمازوں کی ترتیب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ اگر امام عصر کی نماز پڑھا رہا ہو اور ایک ایسا شخص مسجد میں آ جائے جس نے ابھی ظہر کی نماز پڑھنی ہو یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک شخص مسجد میں آ جائے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہو اسے چاہئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز پڑھے اور امام کے ساتھ شامل ہو یا مغرب کی نماز پہلے پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔

جمع بین الصلوتین کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص بعد میں مسجد میں آتا ہے جبکہ نماز ہو رہی ہو تو اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عصر کی نماز پڑھا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ اسی طرح اگر اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عشاء کی نماز پڑھا رہا ہے تو پہلے مغرب کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کونسی نماز ہو رہی ہے تو امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس صورت میں اس کی عشاء کی نماز ہو جائے گی مغرب کی نماز وہ بعد میں پڑھ لے۔ یہی صورت عصر کے متعلق ہے۔

اس موقع پر عرض کیا گیا ہے کہ عصر کے بعد تو کوئی نماز جائز ہی نہیں۔ پھر اگر عدم علم کی صورت میں وہ عصر کی نماز میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد ظہر کی نماز اس کے لئے کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ حضور نے فرمایا یہ تو صحیح ہے کہ بطور قانون عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اگر اتفاقی حادثہ کے طور پر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے تو پھر بھی وہ بعد میں ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں اس کے لئے ظہر کی نماز عصر کی نماز کے بعد جائز ہو گی۔

میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ مسئلہ سنا ہے اور ایک دفعہ نہیں سنا دو دفعہ سنا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جب دو بار اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ میں اس کے متعلق وضاحت کر چکا ہوں کہ ترتیب نماز ضروری چیز ہے۔ لیکن اگر کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ امام کونسی نماز پڑھا رہا ہے عصر کی نماز پڑھا رہا یا عشاء کی نماز پڑھا رہا ہے تو امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ امام کی نماز ہو گی وہی اس کی نماز ہو جائے گی۔ بعد میں وہ اپنی پہلی نماز پڑھ لے۔

(الفضل 27 جون 1948ء صفحہ3)

(داؤد احمد عابد۔ استاذ جامعہ احمدیہ یوکے)

چھوٹی مگر سبق آموز بات

عدل و انصاف

عدل و انصاف ایک بہت ہی اعلیٰ خلق اور ایک اعلیٰ معاشرے کی بنیادی خوبی ہے۔ ہر مذہب نے اس خلق کو اپنانے کی تلقین کی ہے۔ اس خلق کے فقدان کی وجہ سے نہ صرف معاشرے اور سوسائٹی میں بد امنی پیدا ہو رہی ہے بلکہ انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے ملکی اور قومی سطح پر بھی کشیدگیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

اور جب بھی تم کوئی بات کرو تو عدل سے کام لو خواہ کوئی قریبی ہی (کیوں نہ) ہو۔ (الانعام:153)

بشریٰ نذیر آفتاب۔ سسکاٹون، کینیڈا

		طلوع فجر	غروب آفتاب
28فروری 2022ء			
مکہ مکرمہ		05:26	18:24
مدینہ منورہ	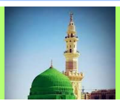	05:27	18:24
قادیان		05:36	18:25
ربوہ		05:16	18:05
اسلام آباد ٹلفورڈ		05:21	17:41